معاملہ کرایہ داری کی شرعی حیثیت

—— از مولانا محمد طاسین' صدر مجلس علمی' کراچی ——

(دوسری قسط)

کتاب الاجارہ میں مذکورہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی نقل کرنے کے بعد اجارہ کے جواز و ثبوت کے لئے حدیثِ تقریری کے طور پر ایک دلیل بعض فقہاء کرام نے یہ بھی تحریر فرمائی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اس وقت عرب معاشرے میں اس کا عام رواج تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا' اگر یہ معاملہ ناجائز ہوتا تو آپ ضرور اس سے روکتے اور منع فرماتے' تو گویا جانتے اور دیکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے منع نہ فرمانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ معاملہ جائز ہے۔ بالفاظ دیگر حدیث تقریری سے بھی اس کا جواز ثابت ہے' جس کا مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کام و عمل کا ہونا اور آپ کا اس سے منع نہ فرمانا اس کو برقرار رکھنا ہے۔

اس استدلال کے متعلق پہلی بات یہ کہ اس میں یہ جو کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب معاشرے میں اس کا عام رواج تھا' اگر اس سے مراد اجرت پر کام کرنے کرانے والا اجارہ ہے تو بلاشبہ یہ اجارہ رائج اور موجود تھا اور نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ اپنے قول و عمل سے اس کو جائز و مشروع بتلایا جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے' اور اگر اس سے مراد مکانوں وغیرہ کی کرایہ داری والا اجارہ ہے تو پھر مذکورہ استدلال اُس وقت درست ہو سکتا ہے جب کسی روایت سے یہ ثابت کیا جائے کہ مدینہ منورہ میں فلاں مسلمان کے پاس اپنی ضرورت سے زائد مکان تھا اور اس نے کسی کو کرائے پر دے رکھا تھا اور باوجود علم ہونے کے رسول اللہ ﷺ نے اس مسلمان کو اس سے نہیں روکا اور نہیں منع فرمایا۔ لیکن باوجود تلاش و

© rasailojaraid.com

جستجو کے مجھے ایسی کوئی روایت نہیں مل سکی، لہٰذا استدلالِ مذکور غیر مفید قرار پاتا ہے۔

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ مکہ مکرمہ کے مکانات سے متعلق متعدد ایسی احادیث ملتی ہیں جن میں ان کے کرائے کی ممانعت ہے۔ ان احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معاملہ مکہ مکرمہ میں موجود تھا، جس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ حج و عمرہ کی خاطر دور دراز سے یہاں آتے اور چند روز قیام کرتے تھے ان کو عارضی قیام کے لئے مکان کی ضرورت ہوتی اور اہل مکہ ان کو اپنے مکان رہائش و قیام کے لئے دیتے اور ان سے کرایہ لیتے تھے اور یہ طریقہ قبل از اسلام رائج چلا آ رہا تھا۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ اس بارے میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیے :

۱ ۔ عن الاعمش عن مجاھد قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : ان مکۃ حرامٌ حرّمھا اللّٰہ لایحل بیع رباعھا ولا اُجورُ بُیوتھا (کتاب الاموال، ص ۶۵)

"حضرت مجاہدؒ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : مکہ مکرمہ حرمت والا شہر ہے، اللہ نے اس کو محترم ٹھہرایا ہے، نہ اس کے مکانات کا بیچنا خریدنا حلال و جائز ہے اور نہ ان کا کرایہ حلال و جائز ہے"۔

۲ ۔ عن علقمۃ بن لصلۃ قال کانت الدّور والمساکن علٰی عھد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنھم ما تُکرٰی ولا تُباع ولا تدعی الا السوائب مَن احتاج سکن ومَن استغنٰی اسکن

(اخبار مکہ، ج ۲، ص ۱۳۱)

"حضرت علقمہؒ سے مروی ہے کہ مکہ مکرمہ کے گھر اور مکان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں نہ کرائے پر دیئے لئے جاتے تھے اور نہ بیچے خریدے جاتے تھے۔ ان کی حیثیت لاوارث اشیاء کی سی تھی، جس کو رہائش کی حاجت ہوتی ان میں رہتا اور جس کو حاجت نہ ہوتی دوسرے کو رہائش کے لئے دے دیتا"۔

یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں بھی موجود ہے۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

۳۔ عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص قال: لا یَحِلُّ البیعَ دُورِ مکۃَ ولا کراؤھا (مصنف عبد الرزاق، ج ۵، ص ۱۴۸)
"حضرت عبد اللہؓ بن عمروؓ بن العاص سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: مکہ کے مکانات کا بیچنا جائز و حلال ہے اور نہ ان کا کرایہ لینا حلال و جائز ہے"۔

۴۔ قال ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما مَن اکَل کراءَ بیوتِ مکۃَ فانّما اکل نارًا فی بطنہٖ لانّ النّاسَ فِی انتفاع بھا سَواءٌ (سنن الدار قطنی)
"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس نے مکہ مکرمہ کے مکانات کا کرایہ کھایا اس نے اپنے پیٹ میں آگ کو ڈالا کیونکہ ان مکانات سے فائدہ اٹھانے کے حق میں سب لوگ برابر ہیں، لہٰذا سب کے لئے ان سے فائدہ اٹھانے کا یکساں موقع ہونا چاہئے"۔

یہ اور اس طرح کی اور بھی کئی روایات ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کے مکانات کا کرائے پر دینا اور کرایہ لینا جائز نہیں۔ اس قسم کی جملہ احادیث و روایات میں نے متفرق کتابوں سے ایک مستقل مضمون میں یکجا جمع کر کے تفصیلی بحث کی ہے جس کا عنوان ہے: "مکہ مکرمہ کے مکانات کا کرایہ اور اس کی شرعی حیثیت، علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کی نظر میں"۔ اس لئے کہ سعودی عرب کے حنبلی علماء کرام مذکورہ دو ہستیوں کو شرعی احکام کی تعبیر و تشریح میں سند مانتے ہیں اور ان کو شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات جو میں خاص طور پر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ مکاناتِ مکہ مکرمہ سے متعلق مذکورہ بالا احادیث و آثار میں کرائے کی جو ممانعت ہے اس ممانعت کا تعلق اس مخصوص حالت اور منفرد شان سے ہے جو مکہ مکرمہ کو دنیا کے تمام شہروں کے مقابلہ میں حاصل ہے اور وہ یہ کہ اس کے اندر اور آس پاس وہ مقدس مقامات واقع ہیں جن سے فریضۂ حج کی ادائیگی کا خصوصی اور گہرا تعلق ہے۔ ان مقاماتِ مقدسہ سے میری مراد ایک تو خانہ کعبہ شریف ہے جس سے حج کے ایک بنیادی رکن طوافِ زیارت وغیرہ کا تعلق ہے۔ دوسرے صفا و مروہ ہیں جہاں سعی کی جاتی ہے جو حج کے مناسک میں سے ایک

© rasailojaraid.

اہم منسک ہے۔ اور اس کے باہر مضافات میں جو مقامات مقدسہ ہیں ان میں ایک میدان عرفات ہے جس سے وقوفِ عرفہ کا تعلق ہے جس کے بغیر حج ہو ہی نہیں سکتا' دوم مزدلفہ ہے جس میں وقوف واجباتِ حج میں سے ہے اور سوم منیٰ ہے جہاں حج کے متعدد مناسک ادا کئے جاتے ہیں جیسے حلق یعنی سر منڈانا' قربانی اور رمی جمار وغیرہ۔

خانہ کعبہ کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے :

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝﴾ (آل عمران : ۹۶)

"یقین جانو کہ وہ پہلا گھر جو اللہ کی عبادت کی خاطر انسانوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ ہے جو مکہ میں واقع ہے' نہایت برکتوں والا اور دنیا والوں کے لئے مرکزِ ہدایت"۔

﴿جَعَلَ اللّٰہُ الۡکَعۡبَۃَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ --﴾ (المائدہ : ۹۷)

"اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو بیت الحرام حرمت والا گھر بنایا اور انسانوں کے لئے ذریعۂ قیام"۔

﴿وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَیۡتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا ---﴾ (البقرہ : ۱۲۵)

"اور یاد کرو کہ جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کیلئے مرجعِ عام اور جائے امن بنایا"۔

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالۡمَرۡوَۃَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰہِ﴾ (البقرہ : ۱۵۸)

"بے شک مقاماتِ صفا اور مروہ دونوں شعائر اللہ میں سے ہیں (جن کو دیکھ کر ذہن میں اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور جو قابل تعظیم و احترام ہیں)"۔

﴿فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ﴾ (البقرہ : ۱۹۸)

"پس جب تم عرفات سے لوٹو تو مزدلفہ میں مشعر الحرام کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرو"۔

ان مذکورہ قرآنی آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کعبۃ اللہ جو بیت الحرام اور مکہ مکرمہ میں واقع ہے اعلیٰ حرمت' عظمت' کرامت اور تقدس کا حامل اور روحانی فیوض و برکات اور انوار و تجلیات کا مرکز و منبع ہے' وہ پوری انسانیت اور اقوامِ عالم کے روحانی استفادہ کے لئے مخصوص ہے' کیونکہ آیاتِ مذکورہ میں الناس اور عالمین کے جو الفاظ ہیں وہ

© rasailojaraid.c

عمومیت کے ساتھ تمام انسانوں اور سب قوموں پر دلالت کرتے ہیں۔ گویا ان قرآنی آیات میں یہ ہدایت و تعلیم ہے کہ اہل ایمان حج و عمرہ کی غرض سے دنیا کے دور دراز علاقوں اور مختلف ممالک سے وہاں پہنچیں اور روحانی فیوض و برکات سے فائدہ اٹھائیں۔

مکہ مکرمہ کی اس مخصوص حالت اور منفرد شان کی وجہ سے اس کے متعلق بعض خاص شرعی احکام ہیں جو دنیا کے دوسرے کسی شہر کے متعلق نہیں۔ ان خصوصی احکامات میں سے ایک حکم یہ ہے کہ حج و عمرہ کی نیت سے باہر سے جو لوگ مکہ مکرمہ پہنچیں اور وہاں کے مکانات میں ان کو عارضی قیام کرنا پڑے تو اہل مکہ ان سے کرایہ وصول نہ کریں۔ گویا بیوتِ مکہ سے متعلق کرائے کی ممانعت کا جو حکم ہے وہ مکہ مکرمہ کی مخصوص حالت اور منفرد شان کی وجہ سے ہے اور مکہ مکرمہ سے مختص ہے' لہٰذا اس پر قیاس کرکے دنیا کے دوسرے شہروں کے مکانات کے کرائے کو ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا' کیونکہ اصولاً یہ قیاس درست نہیں بلکہ قیاس مع الفارق ہے' مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان مماثلت نہیں بلکہ نمایاں فرق ہے' بالفاظِ دیگر مطلب یہ ہے کہ جو اہل علم حضرات عام مکانات کے کرائے کی ممانعت ان احادیث سے ثابت کرتے ہیں جو مکاناتِ مکہ کے کرائے کی ممانعت سے متعلق ہیں ان کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔

بہرحال یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ عام مکانات کے کرائے سے متعلق نہ قرآن مجید کی کوئی آیت اور نہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث ملتی ہے جو صراحتہً اس کے جواز یا عدم جواز پر دلالت کرتی ہو' اور میں سمجھتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ مکانات کے متعلق اسلام کی جو دوسری تعلیمات ہیں' جس معاشرے میں ان پر پورے طریقہ سے عمل ہو رہا ہو تو اس معاشرے میں مکانات کی کرایہ داری کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر پہلے موجود ہو تو خود بخود ختم ہو جاتا ہے' لہٰذا اس کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی واضح ہدایت اور متعین حکم موجود نہ ہونا عقل سلیم اور فہم صحیح کے عین مطابق ہے۔ مطلب یہ کہ جو مسئلہ ایک صحیح اسلامی معاشرے میں پیدا ہی نہ ہوتا ہو اس کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی واضح اور صریح حکم ہونا عقلاً غیر ضروری ہو جاتا ہے۔

رہائشی مکان اور مسکن کے متعلق اسلام کی جو تعلیمات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

غذا اور لباس کی طرح ہر انسان کا یہ ایک انسانی حق ہے کہ اس کے لئے اپنا رہائشی مکان اور گھر ہو، خواہ وہ کتنا ہی سادہ اور معمولی کیوں نہ ہو۔ اس بارے میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث اس طرح ہے :

عن عثمان بن عفان رضی اللّٰہ عنہ عن النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم قال : لیس لِابن آدمَ حقٌّ سِوٰی ھذہِ الخِصال : بیتٌ یسکنہ، و ثوبٌ یواری عورتہ، و جَلفُ الخُبزِ وَالماء

(جامع الترمذی، ج ۲، ص ۵۷)

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : آدم کے بیٹے یعنی آدمی کے لئے نہیں ہے حق سوائے تین چیزوں کے 'ایک گھر جس میں اس کی سکونت و رہائش ہو، دوم ایسا کپڑا جس سے اس کی ستر پوشی ہوتی ہو، سوم غذا کے لئے خشک روٹی کے ٹکڑے اور پانی"۔

© rasailojaraid.c

اس حدیث نبوی میں ہر آدمی کا یہ ایک بنیادی انسانی حق قرار دیا گیا ہے کہ معاشی طور پر اس کو تین چیزیں ضرور میسر ہوں : غذا، لباس اور مکان، کیونکہ ان چیزوں کے بغیر نہ کوئی انسان اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے اور نہ اپنے متعلقہ فرائض و واجبات ٹھیک طریقہ سے ادا کر سکتا ہے۔ قرآن مجید کی متفرق آیات میں اللہ رب العالمین نے انسان کے لئے جن اشیاء کا ذکر بطور ایک عام نعمت کے کیا ہے ان اشیاء میں غذا، لباس اور مسکن کا بھی واضح ذکر ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ غذا و لباس کی طرح ہر انسان کے لئے مسکن و مکان کی نعمت بھی ضرور مہیا ہونی چاہئے جو اس کی فطری ضرورتوں میں سے ایک اہم ضرورت ہے۔

قرآن و حدیث کی مذکورہ تعلیم مسلمانوں پر لازم قرار دیتی ہے کہ وہ اپنے معاشرے میں ایسا معاشی نظام تشکیل دیں جس کے اندر بلا کسی تخصیص و امتیاز ہر ہر فرد کو مذکورہ تین بنیادی معاشی ضروریات کسی نہ کسی شکل میں لازمی طور پر میسر اور حاصل ہوں۔ گویا اسلام کی رو سے مسلم معاشرے کی یہ اجتماعی ذمہ داری ہے کہ اس کا کوئی فرد روٹی کپڑے اور مکان سے محروم نہ رہے، ورنہ وہ معاشرہ گنہگار قرار پاتا ہے۔ جس معاشرے میں مذکورہ تین چیزیں بطور بنیادی انسانی حق کے ہر فرد کے لئے محفوظ نہ ہوں وہ ہرگز ایک عادلانہ

© rasailojaraid.c

اسلامی معاشرہ نہیں کہلا سکتا جس کا قیام مقصود و مطلوب ہے۔

غرضیکہ جو مسلم معاشرہ مذکورہ بالا تعلیم پر پوری طرح عمل پیرا ہو اس کے ہر ہر فرد کو اپنا مکان میسر ہو جانا ایک لازمی امر ہے، لہٰذا اس کے اندر رہائشی مکان کی کرایہ داری کا مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔

رہائشی مکانات سے متعلق نبی اکرم ﷺ کی متعدد ایسی احادیث بھی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان کو اپنی رہائشی ضرورت سے زائد مکان بنانا ہی نہیں چاہئے۔ اس مضمون کی ایک حدیث کتاب معجم الطبرانی میں اس طرح ہے :

> عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : من بنٰی فوقَ ما یکفیہِ کُلِّفَ اَن یَحمِلَہُ یومَ القیامۃ
>
> "حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے : جس نے اپنی کفایت و ضرورت سے بڑھ کر مکان بنایا اس کو قیامت کے دن بطور عذاب مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کو اپنے اوپر اٹھائے اور لادے"۔

اس طرح کی ایک دوسری حدیث امام بیہقی کی شعب الایمان میں بایں طور ہے :

> عن اَنس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہُ علیہ وسلّم : مَن بنٰی بِناءً اکثرَ مِمّا یحتاجُ اَلیہ کان علیہ وبالًا یومَ القیامہ۔
>
> "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے : جس نے اپنی حاجت سے زیادہ کوئی عمارت بنائی وہ اس پر قیامت کے دن وبال و عذاب ہو گی"۔

بعض کتب حدیث میں مذکور ہے کہ قبیلہ ازد جب مشرف بہ اسلام ہوا تو اس نے اپنا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجا تاکہ وہ اپنے لئے مزید کچھ ہدایات حاصل کرے، چنانچہ اس وفد کو آپ ﷺ نے جو ہدایات فرمائیں ان کی تفصیل شرح الزرقانی لمواھب اللدنیہ میں موجود ہے۔ اسی طرح مولانا بدر عالم رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب

© rasailojaraid.com

ترجمان السنہ جلد اول کے صفحات ۵۵۶ تا ۵۵۸ میں مذکور ہے کہ ان ہدایات میں سے دو ہدایات یہ تھیں : "لاتجمعوا مالا تاکلون ولا تبنوا مالا تسکنون"۔ یعنی "نہ جمع رکھنا کھانے پینے کی وہ چیزیں جن کو تم نہ کھاسکو یعنی ضرورت سے زائد' اور نہ بناؤ ایسے مکانات جن میں تم کو رہنا اور سکونت کرنا نہ ہو"۔ واضح رہے کہ یہ دو ہدایات اگرچہ بظاہر قبیلہ ازد سے متعلق ہیں لیکن یہ جس مصلحت پر مبنی ہیں وہ عام ہے قبیلہ ازد سے مختص نہیں۔ لہٰذا یہ ہدایت و تعلیم بھی قبیلہ ازد سے مختص نہیں بلکہ ہر زمان و مکان کے مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ بہر حال دوسری ہدایت پر عمل کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی رہائشی حاجت و ضرورت سے زائد مکانات نہ بنائے جائیں اور یہ وہی ہدایت ہے جو مذکورہ بالا دو احادیث میں پائی جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں ایک وہ حدیث بھی قابل ذکر ہے جو اگرچہ بظاہر براہ راست مکانات سے متعلق نہیں لیکن اس کے اندر جو ہدایت اور تعلیم ہے وہ عام ہے' اس کے دائرہ میں ضرورت کی دوسری چیزوں کی طرح مکانات بھی آجاتے ہیں۔ اس حدیث نبوی سے میری مراد صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے :

> عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال : بینما نحن مع رسولِ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی سفرٍ اذ جاء رجلٌ علٰی ناقةٍ لہ' فجعل یصرفھا یمینًا وشمالًا' فقال رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : مَن کان عندہ فضلُ ظھرٍ فلیعد بہ علی من لا ظھر لہ' ومن کان عندہ فضل زاد فَلْیُعِدْ بہٖ علٰی مَن لا زادَ لہ' حتیٰ ظننّا انہ لا حقّ لأحدٍ فی الفَضل (صحیح مسلم' ج ۱۲' ص ۲۳)

"حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک منزل میں ٹھہرے ہوئے تھے' اس اثناء میں اچانک ایک آدمی اپنی اونٹنی پر نمودار ہوا' اونٹنی ایسی لاغر و کمزور تھی کہ چل نہیں سکتی تھی' اس نے اس کو دائیں بائیں گھمانے کی کوشش کی لیکن وہ کمزوری کی وجہ سے چل نہ سکی۔ اس آدمی کی قابل رحم حالت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے

© rasailojaraid.com

فرمایا : اس آدمی کو سواری کی ضرورت ہے' لہٰذا تم میں سے جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد سواری ہو وہ اس پر لوٹا دے جس کے پاس سواری نہ ہو' اسی طرح جس کے پاس اپنی ضرورت سے فاضل خوراک ہو وہ اس پر لوٹا دے جس کے پاس خوراک نہیں' حتیٰ کہ ہمیں ایسا لگا کہ جس کے پاس اس کی ضرورت سے کوئی بھی فاضل چیز ہو وہ اس کا حق نہیں بلکہ اس کا حق ہے جس کے پاس وہ ضرورت کی چیز نہیں"۔

اس حدیث مبارکہ سے بجا طور پر یہ مطلب نکلتا ہے کہ جس مسلمان کے پاس اپنے رہائشی مکان کے علاوہ کوئی اور فاضل مکان ہو وہ گویا اس کا حق نہیں بلکہ اس کا حقدار وہ دوسرا مسلمان ہے جس کے پاس رہائش کے لئے اپنا ذاتی مکان نہیں' لہٰذا فاضل مکان والے کو چاہئے کہ اپنا فاضل مکان اس پر لوٹا دے جس کے پاس کوئی مکان نہیں۔ میں سمجھتا ہوں اس حدیثِ مبارکہ میں جو تعلیم ہے وہ قانونی نوعیت کی اجباری نہیں بلکہ اخلاقی نوعیت کی اختیاری تعلیم ہے جس پر عمل کرنا تقربِ الٰہی اور عظیم اجر و ثواب کا سبب و ذریعہ ہے۔

غور فرمایئے اور دیکھئے کہ جو معاشرہ مذکورہ احادیثِ نبویہ پر پوری طرح عمل پیرا ہو اس کے ہر فرد کے پاس مکان موجود ہو جانا ایک لازمی امر ہے' جیسا کہ پہلی حدیث کا تقاضا ہے' نیز کسی کے پاس اپنی ضرورت اور حاجت سے فاضل مکان موجود نہ ہونا بھی لازمی ہے' جیسا کہ دوسری' تیسری اور چوتھی حدیث کا تقاضا ہے۔ اسی طرح پانچویں حدیث پر عمل کا لازمی نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اور فاضل مکان ہو وہ دوسرے ضرورت مند کو مفت بلا معاوضہ دے دے۔ کیا ایسے معاشرے میں مکانات کی کرایہ داری کا معاملہ موجود ہو سکتا ہے؟ پھر جب ایک صحیح اسلامی معاشرے میں جس کا مذکورہ احادیث نبویہ پر عمل ہو کرایہ داری کا معاملہ موجود ہی نہیں ہو سکتا تو پھر ایسے معاملے کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی واضح اور مستقل حکم کیسے ہو سکتا ہے؟

قرآن مجید میں مستقل اور صریح احکام صرف ایسے معاملات و مسائل سے متعلق بیان ہوئے ہیں جو مستقل اور دائمی قسم کے ہیں اور ایک صحیح اسلامی معاشرے میں ان کا موجود ہونا ممکن ہے۔

© rasailojaraid.com

غرضیکہ رہائشی مکانات سے متعلق اسلام کی جو ہدایات ہیں ان پر اگر صحیح طریقہ سے پوری طرح عمل ہو تو ایک صحیح اسلامی معاشرے میں مکانات کی کرایہ داری کا معاملہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے، لیکن نہایت رنج و افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عہدِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد عام طور پر مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ ایسی اسلامی ہدایات پر عمل نہ کیا بلکہ ان سے ایسی غفلت و بے اعتنائی برتی کہ گویا اسلام میں ان کا کوئی وجود ہی نہیں، نہ عام طور پر اجتماعی طریقہ سے ایسی کوئی منصوبہ بندی کی گئی جس پر عمل کے نتیجہ میں ہر آدمی کو رہائشی مکان میسر آتا جو اس کا بنیادی انسانی حق تھا اور نہ انہوں نے عام طور پر اس کا کچھ خیال و لحاظ رکھا کہ ضرورت سے زائد بڑے بڑے عالیشان مکانات و محلات بنانے کی احادیثِ نبویہ میں ممانعت و مذمت ہے بلکہ اپنے مال کا بہت بڑا حصہ شاندار مکانات و مساکن کی تعمیر میں خرچ کر ڈالا، جبکہ بعض احادیث نبویہ میں یہ بھی ارشاد تھا کہ بندۂ مومن کو اپنے ہر حال کے خرچ پر اجر و ثواب ملتا ہے سوائے (12) اس مال کے جو غیر ضروری عمارت کی تعمیر میں خرچ کیا جاتا ہے بلکہ وہ اس صورت میں موجبِ عذاب بنتا ہے جب اس کے خرچ کرنے میں نیت و مقصد تفاخر کے طور پر اپنی دولت مندی کا مظاہرہ کرنا اور دوسروں پر اپنے تمول کا رعب جمانا ہو کیونکہ بعض احادیثِ رسولؐ میں اس کی مذمت اور ان پر عذاب کی وعید ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے پہلو سے ایسا خرچ کرنا اسراف و تبذیر کے تحت آتا ہے جس کی قرآن و حدیث میں صاف ممانعت ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم مسلمانوں کی اس طرف کوئی توجہ ہی نہیں گویا اس برائی کا احساس ہی ختم ہو گیا۔ اور نہ ضرورت سے زائد فاضل مکانات کے مالکان نے اپنے فاضل مکانات ایسے لوگوں کو بلا معاوضہ (مفت) دیئے جو مکانات سے محروم تھے جس کی مذکورہ احادیث میں سے آخری حدیث میں ہدایت ہے۔ چنانچہ ان ہدایات سے غفلت و بے اعتنائی برتنے اور ان پر عمل نہ کرنے بلکہ ان کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں مسلم معاشروں کے اندر ایسے حالات وجود میں آئے کہ معاشرے کے بعض افراد کے پاس اپنی ضرورت سے فاضل کئی کئی مکانات تھے اور بعض کے پاس حسب ضرورت ایک مکان بھی نہ تھا جس میں وہ رہائش رکھتے۔ فاضل مکانات رکھنے والے اس کے لئے آمادہ نہ تھے کہ فاضل مکان دوسرے ضرورت مندوں کو مفت رہائش کے لئے دے دیں، البتہ کرائے پر

© rasailojaraid

دینے کے لئے آمادہ تھے' لہٰذا جو ضرورت مند کرایہ دے سکتے تھے وہ اپنی رہائشی ضرورت کی خاطر کرایہ پر مکان لینے لگے۔ اس طرح مکانات کی کرایہ داری کا معاملہ رائج ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد ذہنوں میں یہ سوال اٹھا کہ اس معاملے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز معاملہ؟ اس کے جواب میں مختلف فقہی مسالک سے تعلق رکھنے والے فقہاء کرام کی عظیم اکثریت نے اس کو جائز کہا' یعنی "لَیْسَ بحرامٍ" یعنی حرام نہیں' اگرچہ مختلف کتابوں میں کچھ ایسے فقہاء کے نام بھی ملتے ہیں جو اس کے عدم جواز کے قائل تھے' مثلاً فقہ حنفی کی مستند کتاب المبسوط للسرخسی کی عبارت ہے:

"زعم بعض مشائخنا رحمهم الله انّ القیاس یابی جواز هذا العقد لانه یردّ علی المَعدوم وهی المنفعة التی توُجد فی مدة الاجارة" (ص ۷۴-ج ۱۵)

"ہمارے بعض مشائخ رحمہم اللہ نے اپنے زعم کے مطابق کہا کہ قیاس اس معاملہ کے جواز کا انکار کرتا ہے کیونکہ یہ معاملہ ایک ایسی چیز پر ہوتا ہے جو بالفعل معدوم ہوتی ہے اور وہ چیز منفعت ہے جو مدت اجارہ کے اندر بعد میں وجود میں آتی ہے۔"

علامہ السرخسی نے ان بعض مشائخ کا نام ذکر نہیں کیا جواز روئے قیاس اجارہ کے عدم جواز کے قائل تھے' البتہ بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی کی عبارت میں ان کا ذکر کیا گیا ہے جو اس طرح ہے:

"قال ابوبکر الاصم انها لاتجوز والقیاس ما قاله لان الاجارة بیع المنفعة والمنافع للحال معدومةٌ وَالمَعدوم لایحتمل البیع" (ج ۴' ص ۱۷۳)

"ابوبکر الاصم نے کہا کہ اجارہ جائز نہیں اور قیاس بھی یہی ہے جو اس نے کہا کیونکہ اجارہ میں منفعت کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور منافع حال میں معدوم ہوتے ہیں اور معدوم چیز کے خرید و فروخت کی گنجائش نہیں۔"

مطلب یہ کہ ایک حدیث نبوی میں واضح طور پر اس کی ممانعت ہے۔

اس بارے میں فقہ حنبلی کی مشہور و مستند کتاب المغنی لابن قدامہ کی عبارت بایں طور ہے:

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

واجمع اهل العلم فی کل عصر و مصر علی جواز الاجارة الا ما یحکی عن عبدالرحمٰن بن الاصم انه لایجوز ذلک لانه غرر یعنی انها عقد علی منافع لم تخلق بعد

(ج ۶، ص ۲)

"ہر زمانے اور ہر شہر کے اہل علم کا اجارے کے جواز پر اجماع و اتفاق ہے سوائے عبدالرحمٰن بن الاصم کے کہ وہ اس کو جائز نہیں کہتے، اس دلیل کی بنیاد پر کہ اس میں غرر ہے یعنی اس میں جن منافع پر معاملہ ہوتا ہے وہ ابھی تک پیدا نہیں ہوئے ہوتے یعنی بوقت عقد معدوم ہوتے ہیں، اور چونکہ معدوم شے کی بیع و شراء جائز نہیں لہٰذا اجارہ بھی جائز نہیں"۔

فقہ حنبلی کی ایک دوسری اہم کتاب "فتح الکبیر" میں علامہ الرافعی کی عبارت اس طرح ہے:

"وهو متفقٌ علٰی صحته الّا ما یحکیٰ فیه عن عبدالرحمن بن کیسان الاصم والقاشانی" (ص ۱۷۹، ج ۱۲)

"عقدِ اجارہ کی صحت پر سب کا اتفاق ہے سوائے اس کے جو عبدالرحمٰن بن کیسان الاصم اور قاشانی سے حکایت کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ معاملہ صحیح و درست نہیں"۔

فقہ الظاہری کی کتاب المحلّٰی میں علامہ ابن حزم کی عبارت ہے:

"وباباحتها بقول جمهور العلماء الّا ان ابراهیم بن عُلَیّة قال لاتجوز لانّها اکل المالِ بِالباطل" (ج ۸، ص ۱۸۲)

"جمہور علماء عقدِ اجارہ کے مباح اور جائز ہونے کے قائل ہیں سوائے ابراھیم بن عُلَیّہ کے کہ وہ اس کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ اس میں دوسرے کا مال ناحق طریقہ سے لیا اور کھایا جاتا ہے"۔

موجودہ زمانے کے ایک محقق عالم و فقیہ الدکتور وھبہ الزحیلی اپنی جلیل القدر کتاب میں جس کا نام ہے "الفقه الاسلامی وادلّته" اور جو کچھ عرصہ پہلے آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل دمشق سے شائع ہوئی ہے، عقدِ اجارہ کی بحث کے اندر لکھتے ہیں:

"اتفق الفقهاء علی مشروعیة عقد الاجارة ما عدا ابابکر الاصم واسمٰعیل بن علیّة والحسن البصری والقاشانی

© rasailojaraid
© rasailojaraid

والنهروانی وابن کیسان فانهم لم یجیزوه لان الاجاره بیع المنفعة والمنافع حال انعقاد العقد معدومة القبض، ثم تستوفی شیئًا فشیئًا مع الزمن، والمعدوم لایحتمل البیع ولایحوز اضافة البیع الی شیئ فی المستقبل" (ج ۴، ص ۷۳۰)

"عقدِ اجارہ کی مشروعیت پر فقہاء کا اتفاق ہے سوائے ابوبکر الاصم، اسمٰعیل بن عُلَیّہ، حسن بصری، القاشانی، نہروانی اور ابن کیسان کے کہ وہ اس کے مشروع اور جائز ہونے کے انکاری تھے، اس دلیل کی بنا پر کہ عقدِ اجارہ میں منفعت کی خرید و فروخت ہوتی ہے حالانکہ معاملے کے انعقاد کے وقت منافع معدوم ہوتے ہیں اور ان پر قبضہ نہیں ہو سکتا، وہ تو بعد میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تھوڑے تھوڑے وجود میں آتے اور حاصل ہوتے ہیں، اور معدوم چیز خرید و فروخت کا احتمال نہیں رکھتی اور یہ کہ جو چیز مستقبل میں ہونے والی ہو اس کی خرید و فروخت حال میں جائز نہیں ہوتی"۔

مختلف فقہی مذاہب کی کتابوں کی مذکورہ عبارات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ معدودے چند فقہاء کے سوا باقی سب فقہاء و علماء کا معاملہ اجارہ بمعنی کرایہ داری کے جواز پر اتفاق رہا ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا، مختلف فقہاء کرام نے اپنی کتب فقہ کے اندر اجارے کے جواز میں قرآن و حدیث سے جو دلائل پیش فرمائے ہیں وہ سب کے سب اس اجارہ کے جواز پر دلالت کرتے ہیں جس کا مطلب ہے اجرت پر کوئی کام کرنا کرانا، ہمارے زیر بحث اجارہ سے براہ راست ان کا کوئی تعلق نہیں، جس کا مطلب ہے کرائے پر کوئی چیز لینا دینا جیسے مکان و دکان وغیرہ۔

جہاں تک میرے مطالعے اور تفحص کا تعلق ہے فقہاء کرام میں سے کسی نے قرآن و حدیث سے ایسی کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی جو کرایہ داری والے زیر بحث اجارے کے شرعی جواز پر واضح طور پر دلالت کرتی ہو، بلکہ غور کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لفظی اشتراک کی وجہ سے ان دو الگ الگ اجاروں کو ایک سمجھا گیا اور یہ کہ ایک کے جواز سے متعلق جو دلائل تھے وہی دوسرے کے جواز کے لئے کافی سمجھے گئے، حالانکہ اپنے مفہوم و

© rasailojaraid

مطلب اور معروضی نتائج کے لحاظ سے اجارہ کے یہ دو معاملے ایک دوسرے سے مختلف اور جدا تھے۔ ایک کے جواز کے دلائل دوسرے کے جواز کے لئے کافی نہ ہو سکتے تھے' بلکہ ہر ایک کے لئے الگ الگ مستقل دلائل کا ہونا ضروری تھا۔ مطلب یہ کہ کرایہ داری والے اجارہ کو جائز کہنے والے فقہاء و علماء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کے ثبوت کے لئے قرآن و حدیث سے کوئی اجمالی یا تفصیلی دلیل پیش کریں۔ اجمالی دلیل کا مطلب کوئی ایسا اصولی ضابطہ ہے جس میں اس معاملہ کے جواز پر اجمالی روشنی پڑتی ہو اور تفصیلی دلیل سے مراد کوئی ایسی خاص آیت اور حدیث ہے جس میں جزوی صراحت کے ساتھ اس معاملے کے جواز کا بیان اور ذکر ہو۔ اسی طرح جو حضرات فقہاء کرام معاملہ کرایہ داری کو جائز مانتے اور کہتے ہیں ان کے ہاں کوئی ایسی وضاحت بھی نہیں ملتی کہ اس معاملہ کے جواز کی نوعیت اور حیثیت کیا ہے۔ یہ بلا کسی کراہیت کے جائز ہے یا کراہیت کے ساتھ جائز ہے؟ بالفاظ دیگر یہ جائز بمعنی "ما یثاب علیہ" ہے جس کے اختیار کرنے پر ثواب ملتا ہے یا جائز بمعنی "مالا یعاقب علیہ" ہے جس کے اختیار کرنے پر عقاب و عذاب نہیں' جبکہ اس کے بغیر اس معاملے کے شرعی حکم کا صحیح تعین نہیں ہو سکتا' لہٰذا ضروری ہے کہ یہ وضاحت موجود ہو۔

اسی طرح جن مذکورہ بالا فقہاء کرام نے اجارہ کے اس معاملہ کو ناجائز کہا ہے ان کے ہاں بھی کوئی ایسی تفصیل نہیں ملتی کہ یہ عدم جواز حرام کی نوعیت کا ہے یا مکروہ کی نوعیت کا' نیز ان کی طرف منسوب عدم جواز کی جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ اگرچہ غلط نہیں لیکن کمزور ضرور ہے۔ ان کی دلیل کا صغریٰ یہ ہے کہ معاملہ اجارہ میں جس منفعت کی خرید و فروخت ہوتی ہے وہ بالفعل موجود نہیں ہوتی معدوم القبض ہوتی ہے' اور کبریٰ یہ کہ جو چیز معدوم القبض ہو شرعاً اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہوتی' نتیجہ یہ کہ معاملۂ اجارہ جائز نہیں۔ گویا یہ اس حدیث نبوی کے مطابق ناجائز قرار پاتا ہے جس میں ایسی چیز کی بیع و شراء سے منع فرمایا گیا ہے جو بیچنے والے کے قبضہ میں نہ ہو اور خریدار کو اس کا قبضہ نہ دیا جا سکتا ہو۔ اس دلیل میں کمزوری کا پہلو یہ ہے کہ اس کے صغرے میں جو کہا گیا ہے کہ معاملۂ اجارہ میں جس منفعت کی خرید و فروخت ہوتی ہے وہ بالفعل موجود نہ ہونے کی وجہ سے معدوم القبض ہوتی

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

ہے یہ کامل طور پر صحیح نہیں، کیونکہ اجارے میں فائدہ اٹھانے کے لئے جو چیز دوسرے کے قبضہ میں دی جاتی ہے اس میں منفعت بالقوہ موجود ہوتی ہے، لہٰذا کرایہ دار کا اگر معاملہ کرتے وقت اس منفعت پر بالفعل قبضہ نہیں ہوتا تو بالقوُہ قبضہ ضرور موجود ہوتا ہے جو کرائے والی چیز پر قبضہ سے اس کو لازماً حاصل ہو جاتا ہے، اور دلیل کے کبرے میں یہ جو کہا گیا ہے کہ معدوم القبض چیز کی بیع و شراء شرعاً جائز نہیں ہوتی یہ اس صورت میں ہے جب وہ چیز بالفعل بھی معدوم القبض ہو اور بالقوُہ بھی معدوم القبض ہو اور چونکہ کرایہ داری والے اجارے میں بیچی خریدی جانے والی منفعت اگرچہ بالفعل معدوم القبض ہوتی ہے لیکن بالقوہ معدوم القبض نہیں ہوتی لہٰذا اجارے کا یہ معاملہ اس طرح ناجائز نہیں قرار پاتا جس طرح بیع کا وہ معاملہ ناجائز قرار پاتا ہے جس میں بیچی خریدی جانے والی چیز ہر لحاظ سے کامل طور پر معدوم القبض ہوتی ہے۔ غرضیکہ محض مذکورہ دلیل کی بنا پر معاملۂ اجارہ کو حرام قرار دینا صحیح نہیں ہو سکتا، اور چونکہ معاملہ بیع کی کامل صحت و درستی کے لئے ضروری ہے کہ اس میں بیچی خریدی جانے والی چیز بالفعل قابل القبض ہو اور کسی لحاظ سے بھی معدوم القبض نہ ہو لہٰذا معاملہ اجارہ کے متعلق زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ یہ معاملہ کراہیت کے ساتھ جائز اور مکروہ معاملہ ہے۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ دورِ حاضر کے بعض پاکستانی اہل علم نے مکانات کی کرایہ داری کے معاملہ کو ربا کی طرح کا حرام معاملہ قرار دیا ہے اپنی اس دلیل کی بنا پر کہ یہ اس لحاظ سے رِبا کے مشابہ ہے کہ اس میں بھی کرائے والی چیز مالک کے حق میں محفوظ رہتی ہے جس طرح سود کے معاملے میں قرض کی اصل رقم سود خوار کے لئے محفوظ رہتی ہے اور جس طرح سود کے معاملہ میں سود خور بغیر کسی محنت و مشقت کے اصل پر زائد کا حقدار ٹھہرتا ہے اسی طرح کرائے کے مکان کا مالک بغیر کسی محنت و مشقت کے کرائے کی رقم کا حقدار ٹھہرتا ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کرائے کی شرح بینک کے سود کی شرح کے مطابق مقرر کی جاتی ہے۔ جہاں تک میرے علم و فہم اور غور و فکر کا تعلق ہے، میں سمجھتا ہوں کرایہ داری کے معاملہ کو معاملۂ ربا کے مشابہ قرار دینا اور اس کو ربا کی طرح حرام کہنا کسی طرح درست نہیں اور وہ استدلال علمی طور پر غلط ہے جس سے اجارے کے اس معاملہ کو ربا کی

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

طرح حرام ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ اجارے اور ربا میں بعض بنیادی فرق ہیں جن کی وجہ سے ان دونوں کا شرعی حکم ایک دوسرے سے مختلف ہونا ضروری ہے۔ مثلاً ربا میں ایک فریق کا جو مال دوسرے کے پاس بطور قرض ہوتا ہے وہ قرض کی وجہ سے دوسرے کی ملکیت میں چلا جاتا ہے اور اس کو اس میں ہر اُس تصرف کا اختیار مل جاتا ہے جیسا کہ اپنے کسی دوسرے مال میں اس کو حاصل ہوتا ہے، بخلاف معاملہ اجارہ کے کہ اس میں ایک فریق اپنا جو مکان وغیرہ دوسرے کو استعمال اور استفادے کے لئے دیتا ہے وہ اس کی اپنی ہی ملکیت میں رہتا ہے، کرایہ دار کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتا، لہٰذا وہ اس میں کوئی مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا بلکہ وہ پابند ہوتا ہے کہ اس میں صرف وہی تصرف کرے جو مالک کی مرضی اور عرف عام کے مطابق ہو۔ دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ معاملۂ ربا میں ضروری ہوتا ہے کہ قرض کا اصل مال سود خوار کو پورے کا پورا مع اضافے کے ملے جبکہ اجارے کے معاملے میں ایسا نہیں ہوتا یعنی کرائے پر دیا ہوا مکان وغیرہ مالک کی طرف اپنی اصل حالت میں نہیں لوٹتا کیونکہ استعمال ہوتے رہنے کی وجہ سے عام حالات میں اس کی قدر و قیمت ضرور کم ہو جاتی ہے۔ تیسرا فرق یہ کہ معاملہ ربا میں قرض کی اصل رقم پر بطور سود جو زائد لیا جاتا ہے وہ بغیر کسی مادی عوض کے لیا جاتا ہے، سود خور کی طرف سے اس زائد کے بدلے نہ کوئی پیدا آور دماغی جسمانی محنت ہوتی ہے اور نہ کوئی مالی نقصان ہوتا ہے، جبکہ معاملۂ اجارہ میں اجارے کی چیز کا مالک اپنے کرایہ دار سے جو کرایہ لیتا ہے اس کے عوض اس کی طرف سے وہ مالی نقصان ہوتا ہے جو اس چیز کو استعمال کرنے سے اس چیز کی قدر و قیمت میں واقع ہوتا ہے، جب خارجی حالات ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ بعض دفعہ خاص حالات مثلاً طلب بڑھ جانے یا افراطِ زر کی وجہ سے باوجود استعمال کے مکانات وغیرہ کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں تو اس سے بظاہر مالک کا کوئی مالی نقصان نظر نہیں آتا لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس صورت میں بھی اس کا مالی نقصان موجود ہوتا ہے کیونکہ مثلاً ایک سال پہلے جس حالت میں وہ مکان کرائے پر دیا گیا تھا اگر آج وہ اسی حالت میں ہوتا تو قیمتیں بڑھ جانے کی وجہ سے اس کی قیمت بہ نسبت اس قیمت کے زیادہ ہوتی جو آج استعمال کی وجہ سے اس کی بدلی ہوئی حالت میں ہے۔ یعنی اگر آج بدلی ہوئی حالت میں اسکی قیمت مثلاً ایک لاکھ روپے ہے تو ایک

© rasailojaraid

سال پہلے والی حالت میں ہونے کی صورت میں آج اس کی قیمت ایک لاکھ سے ضرور زائد ہوتی، بہرحال استعمال ہونے سے مکان وغیرہ کی قدر و قیمت میں کمی واقع ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی سلیم العقل انسان انکار نہیں کر سکتا۔

غرضیکہ معاملۂ کرایہ داری اور معاملۂ سود کے درمیان مذکورہ بالا جو بنیادی فرق ہیں ان کی وجہ سے معاملۂ کرایہ داری کا شرعی حکم وہ نہیں ہو سکتا جو معاملۂ سود کا ہے یعنی قطعی طور پر حرام، اگرچہ بعض پہلوؤں سے معاملہ سود اور معاملہ کرایہ داری کے مابین مشابہت ہے لیکن اس کی وجہ سے دونوں کا حکمِ شرعی ایک نہیں ہو سکتا کیونکہ کئی پہلوؤں سے ان کے مابین مغائرت بھی پائی جاتی ہے جس کی کچھ تفصیل اوپر عرض کی گئی۔

(جاری ہے)

© rasailojaraid

اسلامی انقلاب کے مراحل، مدارج اور لوازم پر مشتمل

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دس خطابات کا مجموعہ

منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے رہنما خطوط

صفحات ۳۸۴ ● قیمت: اشاعت خاص (مجلد) ۶۰/- ، اشاعت عام ۳۰/-

ملنے کا پتہ، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن

© rasailojaraid